اقبال اور دور جدید میں شخصی نشوونما ں اور روحانی فروغ کے نظریات پر تحقیقی مطالعہ

A Research Study on Personal Development and Spiritual Growth Ideas in Iqbal and Modern Times

1. **Dr.Safia BiBi**
Lecturer, The Islamia University of Bahawlpur Rahim Yar Khan
Email: safia.bibi@iub.edu.pk

2. **Dr.Rizwana**
Assistant professor
Department of Persian
GC University Lahore
Email: rizwanakhaliq3@gmail.com

3. **Abdul Qayoom Channa**
Assistant Professor, Govt degree college Pir Jo Goth , M Phil Islamic studies.
abdulqayoom179@gmail.com

To cite this article:

1. Dr.Safia BiBi 2.Dr.Rizwana 3. Abdul Qayoom Channa
, July – Dec Vol.5 Issue .2 (2024) Urdu
Al-Bahis Journal of Islamic Sciences Research, *5*(2),63-76 Retrieved from https://brjisr.com/index.php/brjisr/article/view/14

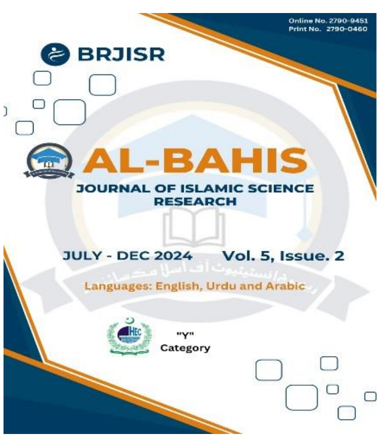

Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)

OPEN ACCESS

اقبال اور دور جدید میں شخصی نشوونما ں اور روحانی فروغ کے نظریات پر تحقیقی مطالعہ

A Research Study on Personal Development and Spiritual Growth Ideas in Iqbal and Modern Times

Abstract

Allama Iqbal was born on 9th November 1877 and died on 21 April 1938. He was a well-known poet, writer, jurist, politician and one of the most important figures of the Pakistan movement of the twentieth century. He used to write poetry in Urdu and Persian and this is the main reason for his fame. The main trend in poetry was towards Sufism and revival of the Islamic Ummah. Allama Iqbal is considered as a modern Sufi. As a politician, his most prominent achievement is the formulation of the ideology of Pakistan, which he presented while presiding over the meeting of the Muslim League in Allahabad in 1930. This theory later became the basis for the establishment of Pakistan. For this reason, Allama Iqbal is considered as the ideological father of Pakistan. Although he did not see the establishment of this new country with his own eyes, he has the status of the national poet of Pakistan. Allama Iqbal is the first poet of this century who has a sense of the mental, social, moral and spiritual problems of the modern man. At the same time, Iqbal's relationship with his poetic tradition is also strong and stable.

This is despite the fact that, unlike most of his contemporaries, Iqbal did not accept the tradition as a mere habit and freed his poetry from the prohibitions of language, expression and thought while keeping it connected with the tradition, a new creative and mental phenomenon. Shaped. In this article, the writer has presented a research study on the theories of personal development and spiritual development in Iqbal and modern times.

Keywords: Idea of nation, modern era, broad nation, personal development, spiritual development

کلیدی الفاظ: نظریہ ملت، دورِ جدید، وسیع ملت، شخصی نشوونماں , روحانی فروغ

تعارف:

علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ دورِ جدید کے منفرد و ممتاز و معروف مشہور شاعر ہیں، آپ مشہور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مصنف، اور قانون دان, سیاستدان بھی رہ چکے ہیں ,موصوف تحریکِ پاکستان کی اہم ترین شخصیات میں شمار کئے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ اُردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے اور یہی ان کی بنیادی وجہ شہرت قرار پائی۔ آپ کی شاعری میں بنیادی رجحان تصوف اور احیائے اُمتِ اسلام کی طرف تھا۔ علامہ اقبال کی تعلیمات صرف ایک خاص علاقے کسی رنگ و نسل کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کی تعلیمات کا جاندار پہلو یہ بھی ہے کہ ہر فرد کی اخلاقی اور روحانی تربیت بھی کی ہے اور وہ ہر دور کے شاعر ہیں یہی انفرادیت اجتماعی تربیت کا باعث بنتی ہے۔

آپ کی شہرت ارض پاکستان کے قومی شاعر کے حوالے سے نمایاں ہے اور آپ نہ صرف پاکستان بلکہ پاکستان کے باہر بھی وجہ شہرت ہیں۔

آپ کی شاعری میں دور جدید کے نئی نسل کے عقل و شعور، سماجیات پر مبنی نیز اخلاقیات اور روحانیات کے مسائل کا جذبہ ملتا ہے اور ان کا حل بھی ملتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ نے اپنی شاعری کو زبان و بیان اور خیال کے امتنازعات سے آزاد کر کے روایت سے مربوط رکھتے ہوئے ایک نئے تخلیقی اور ذہنی مظہر کی شکل دی۔ مقالہ نگار نے اس آرٹیکل میں "اقبال اور دورِ جدید میں شخصی نشو و نماں اور روحانی فروغ کے نظریات پر تحقیقی مطالعہ " کو پیش کیا ہے۔

نظریہ ملت

علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ فرد کو قطرہ سے اور قوم کو دریا سے تشبیہ دیتے ہیں، اس لیے اُن کے نزدیک قوم میں دریا ہی کی طرح وسعت بھی ہونی چاہیے اور یہ وسعت صرف اِس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ قومیت کی بنیاد روحانی اُصولوں پر قائم کی جائے، لیکن موجودہ دور میں ملک و نسب اور رنگ و روپ کے امتیازات کی بنا پر قومیت کا جو محدود نظریہ قائم کیا گیا ہے وہ وطنیت کے جغرافیانہ تحدید کے مادی تخیل سے پیدا ہوا ہے اس لیے موصوف نے دنیا کے سامنے ایک مادی بت کھڑا کر دیا ہے، جس کی پرستش دنیا کی تمام قومیں کر رہی ہیں اور دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ مسلمان بھی اس مشرکانہ عبادت میں شریک ہیں۔[1]

[1]: عبدالسلام ندوی، اقبالِ کامل، طبع، سلسلہ دارالمصنفین نمبر: 73، شبلی اکیڈمی پوسٹ بوکس نمبر 19، شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یو، پی) انڈیا ، ص 311

Abdus Salam Nadvi, Iqbal-i-Kamil, Edition, Darul-Musnafin Series No: 73, Shibli Academy .Post Box No. 19, Shibli Road, Azamgarh (UP) India, p 311

جیسا کہ علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ نے نظریہ ملت کو اپنے خوبصورت اشعار میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ،

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم
اور ساقی نے بنالی روش لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیر ہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے ۔[2]

آپ رحمۃاللہ علیہ نے مختلف قوموں کی باہمی رشک ور قابت کے مناظر کو دیکھا

علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ یورپ جانے سے پہلے بھی اس بت کے پرستاروں میں تھے لیکن یورپ میں جا کر انھوں نے مختلف قوموں کی باہمی رشک ور قابت کے مناظر دیکھے تو ان کو معلوم ہوا کہ اس تنگ محدود مادی نظریہ سے قومیت کا بحر بیکراں نہیں پیدا ہوتا، بلکہ اس کے بجائے بہت سی چھوٹی چھوٹی نہریں پیدا ہو جاتی ہیں، اس لیے فرد و قوم کے اختلاط اور امتزاج سے جو اخلاقی فوائد حاصل ہو سکتے تھے وہ حاصل نہیں ہو سکے، اس لیے اگر دنیا کی قوموں میں اخوت و محبت کا جذبہ پیدا کر کے دوبارہ انسانیت کی روح کا زندہ کرنا مقصود ہے، تو مادیت کے بجائے قومیت کی بنیاد روحانیت پر رکھنی چاہیے آپ نے قومیت کی بنیاد اسی روحانیت پر رکھ کر قومیت کے محدود مادی نظریہ کے بجائے ملت کا وسیع روحانی نظریہ قائم کیا۔ ملت کا یہ روحانی نظام مذہب ِ کے اسلام اور خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ایک کافر بھی روحانی بنیاد پر ملت کا یہ روحانی نظام قائم کر سکتا ہے لیکن اپنی مخصوص اصطلاح کے مطابق علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ نے خاص طور پر مسلمانوں کے سامنے اس روحانی نظریہ کو پیش کیا ہے اور اخلاقی اُصول کے مطابق اُن کو اس نظریہ کے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے ان اشعار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شر مندئہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا
بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
ہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی رہے باقی [3]

---

[2]۔ علامہ اقبال، نظم، طلوعِ اسلام، بانگ درا، حصہ سوئم سے، ص 1908
Allama Iqbal, Nazm, Dawn of Islam, Bang-i-Dara, Part from Swaim, p. 1908

[3]۔ ایضا ص1908
Ibid , p1908

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا دورِ جدید کے انسانوں کو وسیع ملت میں داخل ہونے کی تعلیم دینا

موصوف نے دورِ جدید کے مسلمانوں کو قرآنِ مجید کی تعلیمات خداوندی کی دعوت دیتے ہوئے دورے جدید کے مسلمانوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جن کی ذات سے مسلمانوں کا وجود وابستہ ہے قریب تر کرنا چاہا ہے۔اور بتان رنگ وخوں کے توڑنے کے بعد ان کو وسیع ملت میں داخل ہونے کی تعلیم دی ہے، جس کو ابراہیم علیہ السلام نے قائم کیا تھا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار ذکر کیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(آپ ﷺ فرما تیں ہیں کہ اللہ نے سچ کہہ دیا ہے سو تم ملتِ ابراہیم کی اِتباع کرو جس میں ذرا برابر بھی کجی نہیں اور وہ مشرک کبھی بھی نہ تھے۔)[4]

اسی طرح ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ،

(بھلا اُس شخص سے اچھا دین کس کا ہو گا جو اپنا سر اللہ کے سامنے جھکا ڈالے اور وہ مسلمان مخلص بھی ہو ملت ابراہیم کی وہ اتباع بھی کرے۔)[5]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو سیدھے راستے پر چلنے کے لیے قرآن مجید میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ:

(محمد ﷺ آپ فرمادیں کہ مجھے میرے رب خداوندی مجھ کو سیدھا راستہ بتادیا ہے کہ وہ ایک دینِ ہے اور محکم طریقہ ہے ابراہیم (علیہ السلام) کا جس میں ذرا برابر بھی کجی نہیں ہے،اور ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔)[6]

قرآن پاک کی آیتوں سے واضح طور پر ثبوت ملتا ہے کہ ملت ابراہیم کی بنیاد وطنیت کے لیے محدود مادی تخیل پر قائم نہ تھی بلکہ اس کا سب سے پہلا جز توحید تھا، اس لیے ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی جن روحانی ارکان واُصول سے ہوتی ہے اُن میں سب سے مقدم یہی توحید ہے۔

روحانی اُصول تقویٰ وپرہیزگاری پر رکھا گیا ہے۔

توحید کے بعد ملت کا دوسرا روحانی عنصر نبوت اور رسالت ہے، کیوں کہ اس ملت کو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے پیدا کیا تھا اور وہ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے پیغمبر تھے،اس لیے رسالت کے سبب ہی عالم ارض پر رسالت وجود میں آئیں ہیں۔اور رسالت ہی کی آغوش میں نشو ونما پائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہی اس ملت اسلامیہ میں وسعت پیدا ہونے کے سبب صحرائے عرب میں پھیل کر مختلف شعوب وقبائل میں تقسیم ہوگئی۔اور اسی تقسیم نے اس میں نسبتی فخر وغرور اور تفوق وامتیاز کے وہی جذبات پیدا کر دیئے جو موجودہ قوموں میں پیدا ہوگئے ہیں۔

اس لیے صحرائے عرب میں اور بہت سے بتوں کے ساتھ قومیت کا وہ مادی بت بھی کھڑا ہوگیا جس کی پرستش آج تمام قومیں کر رہی ہیں،اس لیے اس ملت کی تجدید واصلاح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے خاندان میں محمد ﷺ پیدا ہوئے جنھوں نے پہلے توحید ورسالت کے ذریعہ اہل عرب میں وحدت ملیہ کا روحانی رشتہ قائم کیا اور توحید ورسالت کے بعد سب کے آخر میں قومیت کے اس مادی بت کو توڑا اور حجۃ الوداع کے موقع پر یہ اعلان کیا

---

[4] القرآن 3 : 10
Al-Quran 3 : 10

[5] القرآن 4 : 125
Al-Quran 4 : 125

[6] القرآن 6 : 20
Al-Quran 6 :20

کہ ،قرآنِ حکیم میں اللہ رب العزت نے فضیلت کے معیار کو تقویٰ اور پرہیز گاری پر رکھا ہے' کیونکہ کسی قوم وقبیلہ سے تعلق یا کسی خطے میں سکونت کی بنیاد پر نہیں ۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(اے انسانوں! ہم نے تم سب کو مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم سب انسانوں کو وسیع اقوام اور قبائل میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ تم لوگ اِک دوجے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ رب العزت کے نزدیک تم سب میں زیادہ باعزت وہی ہو گا جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو گا، بے شک اللہ تعالیٰ بہترین جاننے والا اور بہترین خبر رکھنے والا ہے۔)7

قرآنِ حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضیلت کے معیار کو تقویٰ وپرہیز گاری کی بنیاد پر رکھا' کسی قوم وقبیلہ سے تعلق یا کسی خطے میں سکونت کی بنیاد پر نہیں رکھا۔

حدیثِ مبارکہ ﷺ میں تقویٰ کی فضیلت کو اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ :

(بے شک تم تمام لوگوں کا اللہ ایک ہے اور تم سب کا والد (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔کسی عرب کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور کسی سفید صورت رکھنے والے کو کالی صورت رکھنے پر اور نہ ہی کالی صورت کو سفید صورت رکھنے والے پر فضیلت حاصل ہے۔ سوائے تقویٰ کے۔)[8]

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ارضِ زمین پر بھیجا جس کے سبب دورِ جاہلیت کے طریقہ کو مٹایا، چنانچہ اب صرف دو ہی قسم کے انسان ہیں، مومن وپرہیز گار، نیک بدبخت اور بدبخت، چنانچہ تم لوگ آدم علیہ السلام کی نسل میں سے ہو اور آدم علیہ السلام کی مٹی سے پیدا کیے گئے ہو۔ تم لوگ ایسے لوگوں پر فخر کرنا چھوڑ دو جو نجاست کو گھسیٹتا ہوا چلتا پھرتا ہے۔اور اس نصبی تفوق وامتیاز کے مٹ جانے کے بعد محدو د قومیت نے ملت کی وسیع شکل اختیار کر لی جس کے روحانی اجزاء تقویٰ وپرہیز گاری قرار پائے۔دورِ جدید کے ہر مسلمان کو تقویٰ وپرہیز گاری اختیار کرنا چاہیے۔جیسا کہ حدیث نبی ﷺ میں ذکر کیا گیا ہے:

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے،اس کے ساتھ خیانت نہ کرے،اس سے جھوٹ نہ بولے،اور اس کو بے یار ومددگار نہ چھوڑے،ہر مسلمان کی عزت، دولت اور خون دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے، تقوی یہاں (دل میں) ہے،ایک شخص کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر وکم تر سمجھے۔)[9]

---

7 القرآن 49 : 13

Al-Quran 49 : 13

8 سلیمان بن احمد طبرانی، المعجم الاوسط، طبع، القاهرة: دار الحرمین ،ج 5، ص 86

Sulaiman Ibn Ahmad Tabrani, Al-Ma'jam al-Awsat, Taba, Cairo: Dar al-Harameen, vol. 5, p 86.

9 ابوعیسیٰ محمد بن سورہ بن شداد ترمذی، جامع ترمذی، باب شَفَقَةِ الْمُسلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ ، طبع، اردو بازار لاہور پاکستان، حدیث نمبر، 1927

Abu Isa Muhammad bin Surah bin Shaddad Tirmidhi, Jami Tirmidhi, Chapter, Shafaqat-ul-Muslim-ul-Muslim-ul-Muslim, Edition, Urdu Bazaar, Lahore, Pakistan, Hadith No. 1927

اس حدیث میں مسلمانوں کی عزت وآبرو، رجان ومال کی حفاظت کرنے کی تاکید کے ساتھ یہ بات واضح طور پر بتائی گئی ہے کہ سب مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور، جو خود کھاؤ وہ ہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ تقویٰ کا معاملہ انسان کا اندرونی معاملہ ہے، اس لیے دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھتے ہوئے اپنے بارے میں قطعاً یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ میں زہد و تقویٰ کے اونچے مقام پر فائز ہوں، اس طرح کی سوچ رکھنا سراسر گمراہی ہے۔ واللہ اعلم

ملت کا ابتدائی اور انتہائی سلسلہ کیسے وجود میں آیا

ملت اسلامیہ کا ابتدائی اور انتہائی سلسلہ دو پیغمبروں کی ذات سے ملا ہوا ہے۔ اور رسالت ہی کے ذریعہ سے اس میں اتحاد پیدا ہوا ہے۔ اس لیے توحید کے بعد رسالت ہی کے عقیدہ سے اس کی وحدت ملی کو قائم رکھا جا سکتا ہے، ان دونوں روحانی اجزایعنی توحید ورسالت کی بنا پر ملت اسلامیہ کسی خاص ملک، کسی خاص مقام اور کسی خاص خطہ تک محدود نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے کلمہ شہادت پر اس کی بنیاد رکھ کر ایک ملت گیتی نور پیدا کر دی ہے، اس لیے اس ملت کو ملک و وطن کی قید سے آزاد ہو کر گیتی نوردی رہنا چاہیے۔ گیتی نوردی کا دوسرا نام آفاقیت ہے۔ جس کی نسبت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس اشعار کے ساتھ فرماتے ہیں کہ،

"سما سکانہ دو عالم میں مرد آفاقی
مئے شبانہ کی مستی تو ہو چکی لیکن
کھٹک رہا ہے دلوں میں کرشمہ ساقی"[10]

لیکن بڑی مشکل یہ آپڑتی ہے کہ آفاقیت کے اس نظریہ کے باوجود وہ اس ملت کی وحدت کے قائم رکھنے کے لیے ایک مرکز کی وابستگی ضروری سمجھتے ہیں، اور یہ محدود مرکزی وابستگی آفاقیت کے پاؤں میں ایک بیڑی ڈال دیتی ہے جس سے اس میں گیتی نوردی کی صلاحیت باقی نہیں رہتی یہی مشکل ہے جس کو اعتراض کی شکل میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اقبال کا وہ میلان جو حجازیت کے نام سے مشہور ہے ان کی اسی ماضی پرستی اور رجعت پسندی کا نتیجہ ہے، اس بات پر جس قدر حیرت کی جائے کم ہے، کہ جس شخص کی یہ تخیل رہی ہو۔[11]

اشعارِ اقبال میں ذکر ہے۔

"نہ چینی و عربی وہ نہ رومی و شامی
ما سکانہ دو عالم میں مرد آفاقی
جو کرے گا امتیاز رنگ و خون مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
وہ پھر اس بات پر کیسے ناز کر سکتا ہے

---

[10] کشاف الالفاظِ اقبال، اردو۔ ص 3

. Kashaf-ul-Faz-e-Iqbal, Urdu , p 3

[11] عبدالسلام ندوی، اقبالِ کامل، طبع، سلسلہ دار المصنفین نمبر: 73، شبلی اکیڈمی پوسٹ بوکس نمبر 19، شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یو، پی) انڈیا۔ ،ص 318

Abdus Salam Nadvi, Iqbal-i-Kamil , p 318

نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری" [12]

کیوں کہ ایک خاص مرکز یا ایک خاص خطہ کی وابستگی سے آفاقیت ایک خاص ملک اور ایک خاص مقام میں محدود ہو کر وطنیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور رنگ وخون کا وہی نسلی امتیاز پیدا ہو جاتا ہے، جس کے اقبال صاحب سخت مخالف ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ وطنی تحدید اور مرکزی وابستگی دو مختلف چیزیں ہیں، جہاں تک وطنی تحدید کا تعلق ہے، علامہ اقبال کے ہاں مصر و شام وغیرہ کی طرح اس ملت گیتی نورد و حجاز سے بھی الگ رکھنا چاہتے ہیں.

لیکن موصوف ؒ نے اِس ملت گیتی نورد کی آفاقیت کو ایک مرکز کے ساتھ وابستہ کر کے اور بھی زیادہ مضبوط و مستحکم اور طاقتور بنانا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ مختلف ملکوں میں پھیل کر اس کی جو آفاقی شان نمایاں ہوتی تھی اس میں ایک قسم کی پراگندگی اور بے ربطی پائی جاتی تھی لیکن جب سمٹ کر وہ ایک مرکز کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے تو یہ پراگندگی اور بے ربطی دور ہو جاتی ہے اور آفاقیت کے جو مناظر مختلف ملکوں میں دیکھے جا سکتے تھے، وہ ایک ہی مرقع میں نظر آنے لگتے ہیں لیکن یہ محدود مرکز اس کا وطن نہیں ہوتا، بلکہ اس کی نمائش گاہ ہوتا ہے جہاں وطنیت اور قومیت کے تمام رشتے منقطع ہو جاتے ہیں اور اس ملت کے جو اجزاء ایران عرب، روم، شام، ہندوستان غرض دنیا کے مختلف حصوں میں بکھرے ہوئے تھے، ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں، اس بناء پر اگر قومیت کی بنیاد جمعیت پر قائم ہے، تو بیت الحرام سراپا جمعیت ہے۔ اشعارِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہے کہ۔

"در جہان جان امم جمعیت است

در نگر سیر حرم جمعیت است" [13]

اس نظریہ آفاقیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب کے کلام کا مطالعہ کیا جائے اور ان کے کلام سے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے تو ہم کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے دل میں ہماری دنیائے آب و گل کے لیے نہ کوئی محبت تھی اور نہ کوئی جذبہ احترام، یہ سچ ہے کہ تمام بنی نوع انسان کو ایک نظام اخوت کے ماتحت لے آنا اور ساری دنیا کو ایک اجتماعی ہیئت کا پابند بنانا انسان کا بہترین کارنامہ ہو گا لیکن اس کے یہ معنی نہ ہونے چاہیے کہ جس مٹی سے نوعِ انسانی کا خمیر بنا ہوا ہے انسان کے دل میں کوئی انس یا درد باقی نہ رہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علامہ اقبال کا کلام اس درد وانس سے خالی ہے۔

"گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اور جہاں تک ارشاد نبوت ﷺ

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

چنانچہ ضرب کلیم میں موصوف اشعار میں ذکر کرتے ہیں۔

"اک شوخ کرن شوخ مثال نگہ حور

آرام سے فارغ صفت جوہر سیماب

---

[12] اقبال ، مجنون گورکھپوری، طبع، یونین پرنٹنگ پریس، دہلی، 1955ء، ص 48۔ 49

Iqbal,.Majnun Gorakhpuri, edition, Union Printing Press, Delhi, 1955, pp. 48-49

[13] علامہ اقبال، رموز بیخودی، طبع، بھارت پریس، گل ٹیکری، پونہ، اشاعت 1991ء۔ ص 4

Allama Iqbal, Ramuz Bikhudi, Tibb, Bharat Press, Gul Tekri, Poona, published in 1991. P 4

بولی کہ مجھے رخصت تنویر عطا ہو

جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو

جب تک نہ اٹھیں خواب سے مردانِ گراں خواب

خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز

اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب

چشم مدو پروین ہے اسی خاک سے روشن

یہ خاک کہ ہے جس کا خزف ریزہ در آب

اس خاک سے اٹھے ہیں وہ خواص معانی

جن کے لیے ہر بحر پر آشوب ہے پایاب "[14]

لیکن یہ محبت جب سیاسی شکل اختیار کر لیتی ہے تو ہر قسم کے رشک ور قابت اور شر وفساد کا منبع بن جاتی ہے اور اسی شر وفساد و تجزی سے بچنے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے آفاقیت کا وسیع نظریہ قائم کیا ہے، جو ان مادی دیواروں کو منہدم کر کے ایک روحانی رشتہ سے قوموں کی شیرازہ بندی کرتا ہے جس سے قومیت کے محدود دائرے میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور اب یہ یوسف جس کا دامن محدود وطنیت کے گرد وغبار سے پاک ہوتا ہے، ہر بازار میں مل سکتا ہے۔

"پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا

تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا" [15]

لیکن اب یہ تیسری مشکل پیش آجاتی ہے کہ اس وسیع نظریہ کے مطابق اگرچہ علامہ صاحب قومیت اور وطنیت کے تنگ دائرے سے نکل جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ مذہب وملت کے تنگ دائرے میں پھنس جاتے ہیں اور یہ محسوس نہیں کرتے یا محسوس کرتے ہیں تو تجاہل برت جاتے ہیں کہ آفاقیت میں اگر ملکی اور نسلی امتیازات کی گنجائش نہیں ہے تو مسلم اور غیر مسلم کے فرق اور مسلمان اور غیر مسلمان کی شناخت کی بھی اس میں کہیں گنجائش نہیں ہے۔اس لیے آفاقیت کی بنیاد مذہب وملت کے بجائے انسانیت پر رکھنی چاہیے تاکہ مسلم اور غیر مسلم کا یہ فرق باقی نہ رہے اور ایک متحدہ انسانی برادری پیدا ہو جائے لیکن در حقیقت یہ غیر محدود آفاقیت جس کو قدیم زمانہ میں ملحد صوفیوں نے وحدت الوجود کے ذریعہ سے قائم کر کے کفر واسلام کے فرق کو مٹانا چاہا تھا۔[16]

مغرب کے چند علمی اور تہذیبی حلقے خوف اور بدگمانی میں مبتلا ہو گئے۔ فکر ملوکانہ سے جنم لینے والے انسان دوستی کے فارمولے کی روسے فائٹر اور ڈکنس جیسے نقادوں نے اقبال کے تصور خودی کو احیائے اسلام کی ایک مؤثر اور جارحانہ کوشش قرار دیا۔

---

[14] کشاف الالفاظِ اقبال، اردو، ص 3

.Kashaf-ul-Faz-e-Iqbal, Urdu, p 3

[15] ایضا 4

Ibid 4

[16] عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، طبع، سلسلہ دارالمصنفین نمبر: 73، شبلی اکیڈمی پوسٹ بوکس نمبر 19، شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یو، پی) انڈیا۔ ص 321

Abdus Salam Nadwi, Iqbal-e-Kamil, edition, Darul-Musnafin series, number: 73 , p 321

اسلام تو کائنات انسانیت کے اتحاد عمومی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے تمام جزوی اختلافات سے قطع نظر کرلیتا ہے اور قرآنی آیات ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

القرآن

تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم[17] "تم کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے۔"

مجھے پوری طرح یقین ہے کہ کشور کشائی اور ملک گیری ابتدا اسلام کے مقاصد میں شامل نہ تھی۔ اسلام کو جہاں ستانی اور کشور کشائی میں جو کامیابی ہوئی ہے، میرے نزدیک وہ اس کے مقاصد کے حق میں بے حد مضر تھی۔ اس لیے کہ وہ اقتصادی اصول نشو ونمانہ پاسکے جن کا ذکر قرآن کریم اور احادیث نبوی میں جابجا آیا ہے۔

پیغمبرانہ عہد نامہ

اتحادِ انسانی کا یہ مسلک محض شاعرانہ خوش خیالی نہیں بلکہ پیغمبرانہ عہد نامہ ہے، اس لیے اس مسلک کو عملی زندگی میں ڈھالنے کی جدوجہد کا آغاز گھر (مشرق) سے ہوتا ہے۔ سامراجی اور نوآبادیاتی طرز فکر عمل کی تردید محکم غلامی اور انحطاط سے نوآبادیاتی طرز فکر عمل کی تردید محکم غلامی اور انحطاط سے مشرق کی نجات کی جانب پہلا قدم ہے۔ سامراج دشمنی کا یہ زبردست رجحان مغربی نقادوں کو اتحاد اسلامی کے تصور سے بدگمان اور برگشتہ کرتا ہے چنانچہ وہ اسلامی اتحاد کو تنگ نظری اور گروہ بندی گردانتے ہیں جبکہ اقبال اس تصور پر فخر کرتے نہیں تھکتے۔

اسلام ذات نسل اور رنگ کی تمیز نہیں کرتا۔ فی الاصل اسلام ہی وہ نظریہ حیات ہے جس نے رنگ کے مسئلے کو کم از کم اسلامی دنیا میں حل کرلیا ہے جب کہ یورپی تہذیب سائنس اور فلسفے میں اپنی تمام ترفتوحات کے باوجود اس مسئلے کو حل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اس مفہوم کی بین اسلامزم رسول اکرم ﷺ نے سکھائی تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ اس اعتبار سے ہر مسلمان پین اسلامسٹ ہے اور لازما اسے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ان معنوں میں بین اسلامزم چین ہیومنزم ہے اور اس اصطلاح میں سے چین کا لفظ حذف کر دینا چاہیے۔ گویا اقبال کی اسلامی بین الاقوامیت کے دورخ ہیں۔ ایک سیاسی اور دوسرا رمعاشرتی سیاسی نقطہ نظر سے یہ سامراجی یلغار کے مقابلے میں ایک دفاعی حصار ہے۔ اور معاشرتی زاویہ نگاہ سے رنگ ونسل کے امتیازات سے ماورا انسانی اتحاد کی پائیدار اساس ہے۔ اول الذکر سے مشرق و مغرب کا تنازعہ جنم لیتا ہے اور ثانی الذکر سے اسلام اور ملوکیت واشتراکیت کے درمیان رد وقبول کا رشتہ جو لوگ مشرق اور مغرب کی آویزش کو ایک غیر ترقی پسند خیال تصور کرتے ہیں اور اسے اسلامی فاشزم سے تعبیر کرتے ہیں وہ اس حقیقت سے چشم پوشی کے مرتکب ہیں کہ اقبال کے نظام فکر کی بلند وبالا عمارت زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک کے تصور پر قائم ہے اور ان کے ہاں مشرق و مغرب کی کوئی جغرافیائی یا نسلی تمیز موجود نہیں ہے۔ وہ مشرق کو مغرب کی سامراجی گرفت سے آزاد دیکھنے کے تمنائی ہیں اس لیے فطرتاً قاہر و جابر مغربی سامراج کے دشمن اور محکوم و مغلوب مشرق کے طرف دار ہیں مگر ان کی یہ آتش نوائی درحقیقت انسان پر کے ظلم کے خلاف احتجاج کی شاعری ہے۔

سامراجیت اور نوآبادیت کے ہتھکنڈوں کو اقبال نے جس سفاک حقیقت پسندی اور جس فن کارانہ چابک دستی کے ساتھ بے نقاب کیا ہے وہ اقبال کی گہری اور عملی انسان دوستی کا بین ثبوت ہے۔ مشرق کو بیدار اور آزاد کرکے مشرق کے افراد اور اقوام میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تولید در اصل اتحاد انسانی کے تصور کو عملی زندگی کے اقبال ٹھوس قالب میں ڈھالنے کی جدوجہد کا نقطہ آغاز ہے۔ وہ مغرب کے علم و حکمت کے مخالف نہیں ہیں، بلکہ

[17] القرآن 3 : 68

Al-Quran 3 : 68

مغرب کی سیاسی اور تجارتی لوٹ مار اور مغرب کے اخلاقی اور تمدنی زوال کے سخت گیر نقاد ہیں۔ اگر وہ کسی اسلامی فاشزم کے نقیب ہوتے تو "للہ المشرق و المغرب" (مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں)[18]

جیسی آیہ کریمہ سے پیام مشرق کی پیشانی کیوں منور ہوتی؟ وہ تو مغرب کی زیرکی اور مشرق کے عشق کی آمیزش سے ایک عالم دیگر کے نقش ابھارتے ہیں اور ان کی نگاہیں پوری انسانیت کے مستقبل پر جمی ہوئی ہیں۔

اسلام کی حقیقی روح کو فراموش کر دینے کے باعث مسلمان تہذیبی انحطاط اور سیاسی استبداد کی لپیٹ میں آگئے تو ملوکیت کے زیر اثر رفتہ رفتہ ناخوب، خوب بننے لگا اور نوبت یہاں تک آپہنچی کہ کرہ ارض کے مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے مسلمانوں میں اسلام کی ایسی مختلف اور متنوع شکلیں رائج ہو گئیں جن کا حقیقی اسلام سے یا تو قطعاً کوئی تعلق نہ تھا اور یا پھر بہت دور کا تعلق باقی رہ گیا تھا۔ اقبال نے اپنے قلب و نظر کو حقیقی اور مثالی اسلام کے تصور سے منور کر کے ملک ملک میں بکھرے ہوئے مسلمانوں کو دیکھا تو انھیں ان کی زندگی جمال مصطفی سے بیگانہ اور سحر فرنگیانہ میں مبتلا نظر آئی۔

اسلام کی حقیقی انقلابی روح کی بازیافت کی اس جدوجہد کا آغاز قدرتی طور پر اس خطہ ارض سے ہوتا ہے جہاں اقبال پیدا ہوئے جہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے اور جہاں قوموں کے حق خود اختیاری کے اصول پر عوامی جمہوری جدوجہد سے ایک اسلامی ریاست کا قیام دائرہ امکان میں ہے۔

یہ حقیقت آج کس قدر ناقابل یقین نظر آتی ہے کہ ہندی مسلمانوں کی الگ قومی ریاست کے حصول کی جدوجہد کی سرتوڑ مخالفت انگریزوں اور انڈین نیشنل کانگریس نے ہی نہیں کی بلکہ ہندوستان کے علمائے دین کی غالب اکثریت بھی قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھی۔ ملوکیت افرنگ نے اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے جو تصورات ایجاد کیے تھے علمائے اسلام کو ابھی تصورات کی چاکری میں مصروف دیکھ کر اقبال اب تک فلسفیانہ تعلیم اور شاعرانہ رمز و ایما سے کام لیتے آئے تھے۔

گویا ایک خالص انسانی خمیر کی تخلیق سے عالم بشریت کو متحد و منظم کرنے کی خاطر ہندی مسلمانوں پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ اپنے جداگانہ قومی وجود پر اصرار کر کے الگ اسلامی ریاست قائم کریں۔ اس ریاست کا قیام سیرت مصطفی ﷺ کی پیروی کا سچا راستہ ہے اور اس راستے سے انحراف، چاہے اسلام کے مقدس نام پر ہی کیوں نہ ہو گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

مُفسرین: متحدہ طریقہ مفسرین کے مختلف اقوال کے مطابق خواہ اسلام کا طریقہ ہو، خواہ کفر کا طریقہ ہو، خواہ عقلی شریعت کا طریقہ ہو لیکن بہر حال وہ مذہب و ملت ہی کا متحدہ طریقہ تھا، اس کے بعد جب اس متحدہ انسانی برادری میں اختلافات پیدا ہوئے تو مذہب و ملت ہی نے ان اختلافات کا فیصلہ کیا۔

مذہبی ملی اتحاد: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسی مذہبی و ملی اتحاد کی بنا پر ان اختلافات کو دور کرنا چاہتے ہیں جن کو قومیت کے محدود نظریہ نے پیدا کر دیا ہے۔ اس لیے وہ تمام ملتوں کو مٹا کر ایک عالم گیر ملت پیدا نہیں کرنا چاہتے، بلکہ مختلف قومیتوں کو مٹا کر ملت کا ایک ایسا روحانی نظریہ قائم کرتے ہیں جو کافر کا آذر کے ساتھ اور مسلمان کو ابراہیم کے ساتھ قریب تر کر دیتا ہے اس لیے ملتیں تو باقی رہ جاتی ہیں لیکن وطنیت کے محدود قومی نظریہ نے ان ملتوں کو مختلف قوموں میں تقسیم کر کے جو اختلافات پیدا کر دیے ہیں وہ دور ہو جاتے ہیں اور ملکی اور نسلی رشک و رقابت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، مثلاً اگر یورپین قوموں میں صرف عیسائیت ذریعہ اتحاد ہوتی تو آج ان میں وہ لڑائیاں نہ ہوتیں جو ملکی اور نسلی امتیازات کی بنا پر ہوئیں، اگر چین و جاپان میں صرف بودھ مذہب کا رشتہ اتحاد قائم ہوتا تو جاپان چین پر

[18]۔ القرآن 2: 115

Al-Quran 2 : 115

حملہ کرنے کی جرات نہ کرتا، بہر حال مذہب وملت کے روحانی اتحاد سے جو قوم پیدا ہوتی ہے وہ لازوال ہوتی ہے اور وہ جس طرح کسی محدود وطن، کسی محدود ملک اور کسی محدود مقام کی پابند نہیں ہوتی اسی طرح اس کا زمانہ بھی غیر محدود ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

مسلمانوں کی قوم اسی قسم کی قوم ہے اس لیے وہ ہمیشہ قائم رہے گی اور اس کے افراد کے فنا ہونے کا اس پر کوئی اثر نہ پڑے گا، کیوں کہ دونوں کے موت وحیات کے اصول باہم مختلف ہیں، افراد کو مادیت نے اور اس قوم کو روحانیت نے پیدا کیا ہے۔ لیکن ملیت کا یہ روحانی نظریہ اس روحانی قوم کو عالم مادی سے بالکل بیگانہ نہیں کر دیتا بلکہ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ سے نہایت وسیع پیانے پر ربط و تعلق پیدا کر سکتی ہے، صوفیوں نے اس کو کائنات سے اس بنا پر بالکل بے تعلق رکھنا چاہا تھا کہ روحانیات کے مقابل میں مادیت کا درجہ بالکل ہیچ ہے۔[19]

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مغرب کے انسان جدید سے اُسی طرح بیزار تھے، جس طرح مشرق کے انسان مردہ سے۔ مغرب کا جدید انسان مغربی اقوام کی مادی ترقی کا حاصل ہے مجموعی حیثیت سے یہ ترقی ان اقوام کے افراد کی انفرادی آمدنی میں اضافے سے سامنے آئی۔ اس کی وجہ ہر قسم کی پیداوار میں اضافہ تھا جس کے نتیجے میں ان کی ذہنیت اور طریق حیات کے بارے میں ان کے زاویہ نگاہ میں تبدیلی رونما ہوئی۔ ترقی کے اس تصور کا شمار عموما مغربی اختراعات میں کیا جاتا ہے۔ اس کا تعلق مغربی معاشرے کے اس سلسلۂ ارتقاء سے ہے جو یورپ میں تحریک احیائے علوم سے لے کر صنعتی انقلاب تک جاری رہا۔

اس سلسلۂ ارتقا کے دوران مغرب نے رفتہ رفتہ ساری دنیا کو ایک تجارتی منڈی میں منتقل کر دیا۔ اس کے نتیجے میں مغرب میں بیوپاری معاشرہ وجود میں آیا اور پھر یہی بیوپاری معاشرہ پسماندہ اقوام کی لوٹ کھسوٹ کے ذرس اور متمول ہوتا چلا گیا حتی کہ ایک ترقی یافتہ معاشرہ بن گیا۔ ارتقا کے سبب کئی مادی نوعیت کی تبدیلیاں اس معاشرے میں آئیں اور یوں سرمایہ دارانہ نظام کی ابتداء ہوئی۔ زیادہ پیدا کر سکنے کی صلاحیت نے مغرب کو ساری دنیا پر غالب آجانے کی قوت حاصل کرنے کا ایک نیا جنون عطا کیا۔

سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ ملوکیت آئی، نوآبادیات قائم کی گئیں، اور پسماندہ اقوام کا استحصال شروع ہوا۔ مغرب میں بھی ان تبدیلیوں کے سبب مغربی اقوام میں رقابت کشمکش اور تصادم کی فضا پیدا ہوئی، جس نے یک طرف تو پہلی جنگ عظیم کی صورت اختیار کی اور دوسری طرف روس میں اشتراکی نظام کے قیام کی۔ پس اقبال کے اس عہد میں مغرب کا انسان ایک ایسا نیا انسان تھا جس کے ذہنی رجحانات نئے تھے۔ وہ بنیادی طور پر مغربی انسان تھا، جسے سائنس کی ترقی نے رفتہ رفتہ صنعتی انسان میکنیکاتی انسان، تھوک انسان، یک طرفہ انسان، بے طاقت انسان، ناراض انسان، تنہا انسان، وغیرہ بنا دیا۔ وہ سائنس اور ٹکنالوجی کی حاکمیت تسلیم کرتا تھا جس کی وہ خود پیدا دار تھا۔ انفرادی عقل اور عمل کی پھرتی پر یقین رکھتا تھا، لادین تھا اور اپنے معاملات کو دنیادارانہ زاویہ نگاہ سے سلجھانے کا قائل تھا۔ متکبر، خود غرض اور اخلاق سے بیگانہ تھا اور زندگی میں صرف مادی ذرائع سے مسرت کی تحصیل کے لیے کوشاں تھا۔ وہ ہر لحظہ متغیر حالات کا پابند تھا اور اسے اپنی تقدیر پر کوئی غلبہ حاصل نہ تھا۔ بقول اقبال وہ ایسا پست فطرت انسان تھا جس سے شیطان تک بیزار تھا کیونکہ وہ انکار کی اہمیت سے ناواقف محض تھا اور شیطان کے احکام کی بے چون وچرا میل کرتا چلا جا رہا تھا۔ ایسے انسانوں پر مشتمل معاشروں کا ایمان فقط سیاسی و اقتصادی قوت میں اضافہ کرتے چلے جانا تھا اور اسی سبب یہ معاشرے ایک دوسرے سے دائمی طور پر مصروف پیکار تھے۔

---

[19] عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، طبع، سلسلہ دارالمصنفین نمبر: 73، شبلی اکیڈمی پوسٹ بوکس نمبر 19، شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یو، پی) انڈیا۔ ص 324, 322

Abdus Salam Nadwi, Iqbal-e-Kamil, edition, Darul-Musnafin series, number: 73 , p 322 , 324

اقبال میں مغرب کے جدید انسان کی خامیوں اور کمزوریوں کا مشاہدہ کرتے ہی صحیح معنوں میں انسان کامل کے لیے جستجو کی تحریک پیدا ہوئی۔ یہ وقت کے تقاضوں کے پیش نظر ایک عملی ضرورت تھی۔

اسی سبب اقبال کا انسان کامل محض متصوفانہ یا فلسفیانہ تخیل کے خلا میں معلق نہ تھا بلکہ ان کی نگاہ دور بین نے تاریخ تمدن اسلامی کے تسلسل میں "مردِ مومن" کی حقیقی صورت میں اس انسانِ کامل یا مرد فرد اکو پالیا۔ اسرار خودی کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں نکلسن نے درست کہا ہے:

اقبال کے حساسات ایک پرجوش مسلم کے احساسات ہیں۔ اس کا اسلام سے یہ عقید تمندانہ تعلق دنیا میں ایسی حکومت چاہتا ہے جس میں مسلمانوں کے لیے قومیت اور وطنیت کی رکاوٹیں حائل نہ ہو سکیں۔ اس کا نصب العین ایک ایسے آزاد مسلم معاشرے کا قیام ہے جس کا مرکز کعبہ ہو اور جو ایمان وایقان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر مضبوط عقیدہ رکھتا ہو۔ اقبال نے" اسرار خودی اور رموز بے خودی میں اس کی تعلیم دی ہے۔

ملتِ خودی کا احساس

قومی خودی کا احساس صرف ملی تاریخ کے پیش نظر رکھنے سے پیدا ہو سکتا ہے اور روایات ملیہ ہی کے از بر رکھنے سے اس احساس کی تکمیل ہو سکتی ہے، بالخصوص دورِ جدید کے موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے لیے اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کیوں کہ ان کا ماضی نہایت روشن اور ان کا حال نہایت تاریک ہے، اس لیے ان میں قومی خودی کا احساس پیدا کرنے کے لیے ان کی گذشتہ تاریخ کا اعادہ اور اس کا تحفظ و تکرار نہایت ضروری ہے۔[20]

کیوں کہ اگر وہ اپنی تاریخ کو بھلا دے گی تو لازمی طور پر دوسری قوموں کے تہذیب و تمدن کے اصول اختیار کر کے خود اپنے ملی وجود کو نا کر دے گی اور ملت اسلامیہ اسی بنا پر یورپین تہذیب و تمدن کی جگمگاہٹ کو دیکھ کر اپنی ملی حیثیت کو فنا کر رہی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس از خود گم قوم کے سامنے اس کی گذشتہ تاریخ کو رکھ کر دوبارہ اس کو زندہ کرنا چاہتے ہیں۔

خلاصہ

قومیں دین سے بنتی ہیں نہ کہ سرزمین سے، اسلام اس جہاں تاب قومیت کا علمبردار ہے۔ تاریخی طور پر دیکھا جائے تو یہی وہ اساس ہے، جس پر مسلم ملت کا تمدنی ارتقاء وقوع پذیر ہوا ہے۔ اسلام کا اپنے مولد و مسکن.... مکہ سے ہجرت مدینہ روحانی جمہوریت کا منفرد معاشرہ اور یکتا مثال ہے۔

یہی سبب ہے اقبال جیسے آفاقی مفکر نے حقیقت کھول کر بتادی کہ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام اللہ کی طرف سے ظاہر ہوا ہے لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی، ایک قوم ، یاامت نہیں بنائی جاسکتی اس لئے اقبال ہی حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہیں کہ علامہ اقبال نے مسلمانوں کے بحیثیت ملت زوال کی تین وجوہ بیان کی ہیں۔ ان کے نزدیک تاریخ میں مسلمانوں کا ملوکیت کے نظام کو قبول کرنا زمانہ جاہلیت کی طرف واپس جانا تھا۔ اور ملائیت سے اُن کی مراد مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں میں تخلیقی سوچ کا فقدان یا بانجھ پن ہے جس کے سبب نئے مسائل کا حل اجتہاد کے ذریعہ تلاش کرنے کی بجائے تقلید کی روش اختیار کرنے سے کیا گیا، جو مزید اخلاقی، تہذیبی اور سیاسی تخریب کا سبب بنا۔

اور پیری مریدی سے مطلب مسلمانوں میں ایسی الٰہیات یا ایسے تصوف کا فروغ ہے جو انہیں اس دنیا کو بہتر بنانے کی بجائے عاقبت میں عافیت و سکون حاصل کرنے کی ترغیب دے۔

[20]: ایضاً، ص 329

Ibid, p 329

فکر اقبال کا ایک غور طلب پہلوان کا یہ فرمان ہے کہ اسلام کا قیام اُس وقت ہوا جب انسان کی عقل استقرائی یا شعور ترقی کی اس منزل تک پہنچ چکی تھی کہ اسے پیغمبروں، بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں جیسے سہاروں کی ضرورت نہ رہی تھی۔ گویا انسان اس قابل ہو گیا ہے کہ وحی کی تعبیر وقت کے تقاضوں کے مطابق خود کر سکے۔ اس تمہید سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلام کا اصل پیغام سلطانی جمہور کا قیام ہے۔ اور اسی بنا پر مسلم معاشرہ جس اصول پر قائم ہے وہ بقول اُن کے ثبات فی الغیر ہے۔

اگرچہ اقبال بجائے خود صاحب فکر تھے، اُن کی فکر رکی ہے جسے عملی جامہ پہنانے کی خاطر کسی صاحب عمل کی ضرورت تھی۔ اسرار خودی کے آخر میں چند دعائیہ اشعار سے ظاہر ہے کہ اقبال نے اللہ تعالی سے کسی ایسے قوم کے لئے دعا کی جوان کی تنہائی کو دور کر دے، ان کے خوابوں کو حقیقت بنادے۔ فرماتے ہیں: "میں آزر کی طرح خود ہی اس بت کو تراشوں اور پھر خود ہی اس کی پرستش کروں سازم از مثبت گل خود پیکرش ہم منم اور اشوم ھم آزرش اس سے کہیں بڑھ کر کاشف المسائل انسان بھی ہے اس نے نور نبوت سے مستنیر شعور سے یہ باور کرایا کہ مسلم ملت یا ملتِ اسلامیہ کا دینی اور روحانی شعور تا قیامت جس ذات اطہر کے گرد طواف جاں کرتا رہے گا، وہ ذات رسول ﷺ ہے۔ وہ حتمی اور کامل نمونہ حیات ہیں۔ نبوت کے الٰہی ادارہ کا فیض و فیضان آپ ہی کی ذات اطہر پر جا کر تکمیل پذیر ہوا ہے۔ گویا دین و حیات بھی مکمل اور نمونہ بھی کامل انی الجملہ یہ قوم در حقیقت حضور ﷺ کے نام پر ایک ساتھ دل دھڑکنے کا نام ہے۔ جن کے دل بنام مصطفٰی ایک ساتھ دھڑکیں وہ ایک قوم ہے محبت ہے یہ ہی دو قومی نظریہ ہے۔

اس لئے اقبال ہی بتاتے ہیں: کہ دین تو اللہ کی طرف سے عطا ہوا ہے، بطور سوسائٹی اور قوم ہم حضور سرکار دو عالم کے مرہون منت ہیں۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)